

چونکہ قرآن کریم اسلامی شریعت کا اولین سرچشمہ ہے، جو ہر قسم کی تحریف و آمیزش سے پاک ہے اور اس کے برعکس تورات و انجیل وغیرہ اپنی اصلی حیثیت کو برقرار نہ رکھتے ہوئے بے شمار تحریفات کا شکار ہوئی ہیں، غالباً اسی وجہ سے مستشرقین نے قرآنی نص کو اپنا موضوع بحث بناتے ہوئے اس کو محرف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل استشراقی فکر کا محور یہ ہے کہ جس طرح تورات و انجیل اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں اور ان کے کئی ایڈیشن منظر عام پر آ چکے ہیں، مسلمانوں کے قرآن کو بھی اسی مقام پر لا کھڑا کیا جائے۔ اسی بناء پر انہوں نے قراءت قرآنیہ کو انسانی قیاس پر مبنی اور حدیث سبعہ احرف کی استنادی حیثیت کو موضوع و مشکوک قرار دیا ہے۔

اختلاف قراءات کو تحریف و اختراع قرار دینے والوں میں بنیادی طور پر تین گروہ شامل ہیں، جن میں بعض فرق روافض، مستشرقین اور دور حاضر کے چند منکرین قراءات ہیں، جو حقیقتاً جرمن اور یورپی استشراقی نظریات سے ہی متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے علاوہ 'قبول قراءات' کے بارے میں چودہ سو سال میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔

استشراقی فکر و فلسفہ کے زیر اثر عالم اسلام کا ایک اچھا خاصا طبقہ بھی متاثر ہوا ہے اور اس نے نئے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر غالب تہذیب کے 'علمی ورثہ' کو اپنایا اور اسی کی ترویج و اشاعت میں کسی نہ کسی انداز میں منہمک رہا۔ اسلامی علوم میں جمہور علماء کے نظریات سے ہٹ کر جو آزادانہ روش اس طبقہ نے اپنائی، اس کے نقصانات مسلمانوں کے مابین نزاع و خصام پر منتج ہوئے۔ چونکہ تحریک استشراق کے بنیادی اہداف و مقاصد میں مسلمانوں کے درمیان باہمی منافرت پیدا کرنا ہے، اسی لئے وہ ہمیشہ شریعت اسلامیہ کے اولین اور بنیادی مصادر (قرآن و سنت) میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس ضمن میں ان کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ سادہ لوح مسلمانوں کو متفرق وسائل و ذرائع اختیار کر کے ذہنی تذبذب کا شکار کر سکیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے، جو شعوری یا غیر شعوری طور پر مستشرقین کی طبع کاریوں کی بیخست چڑھا ہے، بالخصوص یورپین اور جرمن استشراقی تحریکوں کے نتیجے میں اہل اسلام کے اندر ایسے لوگ پائے گئے، جنہوں نے مستشرقین سے زیادہ اسلام کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس مضمون میں ہم صرف ان شبہات کا تذکرہ کریں گے، جو مستشرقین کے علاوہ عالم اسلام میں بعض تجدید پسند شخصیات نے قرآنی قراءات کے بارے میں پھیلانے ہیں۔ ان متجددین و ملحدین کی فکر کا زیادہ تر مدار استشراقی فکر پر ہی ہے۔

قراءت قرآنیہ سے متعلق جمہور ائمہ سے مخالف رائے قائم کرنے والے ان جدید 'مسلم محققین' کے متعلق ہمارا خیال یہ ہے کہ ان کا موضوع تحقیق دراصل 'علم القراءات' نہیں تھا، لہذا ان کو اپنے قائم کردہ نظریات کی شاعت کا علم نہ ہو سکا یا پھر مسئلہ کے سمجھنے میں ان سے غلطی ہوئی، چنانچہ یہ نظریات بالکلہاں استشراقی فکر کی اتباع میں براہ راست قرآن کریم کی قراءات اور ان کی حجیت و قطعیت کو نشانہ تنقید بناتے ہیں۔ ان 'محققین' میں ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی، ڈاکٹر جواد علی، ڈاکٹر عبداللہ خورشید، ڈاکٹر صلاح الدین المنجد، طحسین، ابراہیم ایاری، تنما عادی اور امین احسن اصلاحی وغیرہ کے شبہات قابل ذکر ہیں۔ آمدہ سطور میں اختصار کے ساتھ ان کے نظریات کا تجزیاتی مطالعہ پیش خدمت ہے۔

ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی

عربی زبان و ادب کے حوالہ سے ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی خاصی شہرت کی حامل شخصیت ہیں۔ ان کے بہت

سارے مضامین عالم اسلام کے مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ فقہ اللغة کے عنوان سے ان کی کتاب متعدد مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں قراءت کے حوالہ سے جمہور امت کے اجماعی نقطہ نظر سے ہٹ کر قراءت قرآنیہ کے وجود میں آنے کا سبب مصاحف عثمانیہ کے نقطوں اور حرکات سے خالی ہونے کو قرار دیا۔ وہ لکھتے ہیں:

”یرجع بعض مظاهر الاختلاف فی قراءات القرآن إلى اختلافهم فی قراءة الكلمة حسب رسمها فی المصحف العثماني، فقد كان الرسم مجرداً من الإعجام والشكل، ولذلك كان يمكن قراءة بعض الكلمات على وجه مختلف“^①

واضح رہے کہ یہی نقطہ نظر گولڈ زہرہ اور آرتھر جفری کے علاوہ بعض دیگر مستشرقین نے بھی پیش کیا ہے۔ تاہم ڈاکٹر عبدالواحد وانی کا قول مذکور سے رجوع ثابت ہے، چنانچہ طبع اول کے بعد بقیہ تمام طباعتوں میں اس کی صراحت کردی گئی ہے۔ والحمد للہ علی ذالک^②

ڈاکٹر طحسین

ڈاکٹر طحسین نے بھی مستشرقین کی اتباع میں قراءت کی بنیاد اور مصدر لہجات و لغات کو قرار دیا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب ”فی الأدب الجاہلی“ میں رقمطراز ہے:

”والحق أنه ليست لهذا القراءة السبع من الوحى فى قليل ولا كثير وليس منكرها كافرا ولا فاسقا ولا مغتصفا فى دينه وإنما هى قراءات مصدرها اللہجات واختلافها“^③
 ”ان سات قراءات کا تعلق وحی سے نہیں اور نہ ہی ان کا منکر کافریا فاسق ہے اور نہ اپنے دین میں عیب لگانے والا ہے۔ بلکہ ان قراءات کا مصدر لہجات اور ان کا اختلاف ہے۔“

وہ مزید کہتا ہے کہ

”قرآن ایک ہی لغت اور لہجہ یعنی قریش میں تلاوت کیا گیا، لیکن مختلف قراء اپنے اپنے قبائل کے لہجات کا لحاظ رکھتے ہوئے متعدد قراءات پڑھنے لگے، یہاں تک کہ بہت زیادہ قراءات اور لہجات پیدا ہو گئے اور ان کے مابین بہت زیادہ تباہی اور اختلاف واقع ہو گیا، جن کو بعد کے علماء و قراء نے ضبط کیا اور اس کا مخصوص علم کا نام دے دیا۔“^④

ڈاکٹر طحسین نے جہاں قراءات کا مصدر، لہجات کو قرار دے کر اس کی منقولی اور توقیفی حیثیت پر طعن کیا ہے وہاں وہ صراحتاً قراءات کے تواتر کا بھی انکار کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

”وهنا وقفة لابد منها ذلك ان قوما من رجال الدين فهموا أن هذه القراءات السبع متواترة عن النبي ﷺ نزل به جبريل على قلبه، فمنكرها كافر من غير شك ولا ريب، ولم يوفقوا الدليل يستدلون به على ما يقولون سوى ما روى فى الصحيح من قوله «أنزل القرآن على سبعة أحرف»“^⑤

”دین مجھے والوں میں ایک جماعت یہ نظر یہ رکھتی ہے کہ یہ سات قراءات نبی کریم ﷺ سے بطریق تواتر منقول ہیں، جن کو حضرت جبریل علیہ السلام لے کر آئے اور یہ کہ ان کا منکر بلا شک و شبہ کافر ہے، حالانکہ وہ اس بات پر حدیث قرآن سات حروف پر نازل ہوا کے علاوہ کوئی دلیل پیش کرنے سے قاصر ہیں۔“

غرض وہ قراءات سب سے کو غیر منقولی اور محض لغات و لہجات کی فروعات قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہ قراءات

توقیفی نہیں، بلکہ اختراعی ہیں۔ طہ حسین کی ان عبارات میں کسی طرح کی کوئی منقوی یا عقلی دلیل نہیں۔ وہ حدیث سب سے احرف کو محض ایک روایت کہہ کر رد کرتا ہے، حالانکہ اس حدیث کی استنادی حیثیت محدثین کے نزدیک مسلمہ ہے۔ ڈاکٹر طہ حسین کی تصنیفات میں حدیث کی حجت اور مقام سے بے اعتنائی کے یہ رویے ہمیں جا بجا دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر طہ حسین کے ان شبہات کا جواب ڈاکٹر لیب السعید، ڈاکٹر عبد البہادی الفضلی اور عبد القیوم السندی نے اپنی کتب میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

قراءات کی حجت و قطعیت سے متعلقہ احادیث و روایات پیش کرنے کی بجائے ہم صرف ان دلائل کو ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ قراءات صرف لہجات و لغات کی وجہ سے وجود میں نہیں آئیں۔

قراءات کے قرشی اختلافات کا مشاہدہ

اس شبہ کے رد کے لیے صرف مفردات قراءات پر نظر کرنا ہی کافی ہے۔ قرش الحروف کے مشاہدہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ تمام قراءات لغات و لہجات نہیں ہیں، چنانچہ سورۃ البقرۃ سے اس کی چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

- ① ﴿وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ﴾ کو ”يَخْدَعُونَ“ پڑھا گیا ہے۔
- ② ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ﴾ کو ”تُقْبَلُ“ پڑھا گیا ہے۔
- ③ ﴿وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ میں ”خطيئته“ پڑھا گیا ہے۔
- ④ ﴿تُغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ﴾ میں ”تُغْفِرْ لَكُمْ“ اور ”يُغْفِرْ لَكُمْ“ پڑھا گیا ہے۔
- ⑤ ﴿كَيْسَ الْبِرِّ﴾ میں راء کو نصب اور رفع دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔^①
- ⑥ ﴿فَإِذَا لَهْمًا﴾ میں ”فَإِذَا لَهْمًا“ پڑھا گیا ہے۔
- ⑦ ﴿وَعَدْنَا﴾ میں ”وَعَدْنَا“ پڑھا گیا ہے۔
- ⑧ ﴿عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ میں ”يَعْمَلُونَ“ پڑھا گیا ہے۔
- ⑨ ﴿لَا تَعْبُدُونَ﴾ میں ”لَا تَعْبُدُونَ“ پڑھا گیا ہے۔
- ⑩ ﴿حَسَنًا﴾ میں ”حُسْنًا“ پڑھا گیا ہے۔^②

ظاہر ہے کہ قرش الحروف کی ان مثالوں میں لہجات کا کوئی اختلاف نہیں۔ ہمارے لیے اس معاملہ کی مزید وضاحت حرکات میں تبدیلی کی مثالوں سے بھی ہوتی ہے، مثلاً:

- ۱..... ﴿يُجْبَلُ أَوْي مَعَهُ وَالطَّيْرُ﴾ [سبا: ۱۰] میں ”الطَّيْرُ“ مرفوع بھی پڑھا گیا ہے۔^③
- ۲..... ﴿وَأَن كَانَ مَكْرَهُمْ لِلتَّوَلُّوْا مِنْهُ الْعِجَالُ﴾ [ابراہیم: ۳۶] میں پہلے لام کے کسرہ اور دوسرے کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔^④

۳..... ﴿لَن تَخْلَفَهُ﴾ [طہ: ۹۷] میں لام کا فتح اور کسرہ دونوں پڑھے گئے ہیں۔^⑤

اسی طرح قراءات میں وہ اختلاف جو صرف کلمات کے حروف میں واقع ہوتے ہیں، جن سے صورت تبدیل نہیں ہوتی البتہ معنی میں تغیر واقع ہوتا ہے، جیسے: ”تَبْلُوْا“ اور ”تَتَلَوْا“ [یونس: ۳۰] ابن کثیر، نافع، عاصم، ابو عمرو اور ابن عامر نے ”تَبْلُوْا“ کے ساتھ جب کہ حمزہ اور کسائی نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔^⑥ اسی طرح ”عبدالرحمن“ کو عند

الرحمن، بھی پڑھا گیا ہے۔^⑧ ذکر کردہ مثالوں میں کوئی قراءت بھی لہجہ پر مبنی نہیں ہے، لہذا ثابت ہوا کہ قراءات کا مدار لغات و لہجات پر نہیں بلکہ اس کی بنیاد نقل و روایت اور تلقی و تشافہ پر ہے۔

قراءات کے اصولی اختلافات کا مشاہدہ

قراءات کے اصولی اختلافات، مثلاً: اظہار، ادغام، روم، اشام، تفعیم، تریق، مد و قصر، امالہ و فتح، فتح و تسہیل اور ابدال و نقل وغیرہ کا تعلق اگرچہ اختلاف لہجات کے قبیل سے ہے، لیکن یہ نوع بھی نبی کریم ﷺ سے روایت و نقل کی بنیاد پر ہی رائج ہوئی۔ اس میں اجتہاد یا قیاس کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ابوشامہ مقدسی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۶۵ھ) نے ادغام، مد، تشدید، ترک امالہ، یا تقدیم و تاخیر کے قرآنی قراءات میں استعمال کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

”فإنه كله منزل من عند الله تعالى ومما وقف الرسول ﷺ على صحته وخير بينه وبين غيره و صوب جميع القراءات به“^⑨

قراءات کے یہ اصولی اختلافات اجتہاد و قیاس پر مبنی ہوتے، تو ائمہ قراء کے ہاں ان کا استعمال استثناء کے بغیر ہوتا، مثلاً امام حمزہ رحمہ اللہ کا مذہب امالہ کے بارے میں یہ ہے کہ جہاں کہیں بھی مصاحف عثمانیہ میں کوئی کلمہ آخر میں یا ء کے ساتھ مرسوم ہو وہاں امالہ ہوگا، لیکن اس کے باوجود چند کلمات میں ایسا نہیں، جیسا کہ کلمہ: ﴿سَجَى﴾ [الفجر: ۲۰] میں امالہ نہیں، حالانکہ اس کے آخر میں یا ء موجود ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ یہاں امالہ روایات میں ثابت نہیں۔^⑩

علامہ ابوشامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”ولو سوغنا لبعض القراء امالة ما لم يمله الرسول ﷺ والمصحابة أو غير ذلك لسوغنا لهم مخالفة جميع قراءة الرسول ﷺ“^⑪

”اگر بعض قراء کیلئے ایسی جگہ امالہ کی اجازت دی جائے، جہاں آپ ﷺ نے اور صحابہ نے امالہ نہیں کیا تو گویا ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تمام قراءات کی مخالفت کی۔“

لہذا جہاں جہاں جو لفظ جس طرح آپ ﷺ سے منقول ہے، اس کے برعکس اپنی طرف سے پڑھنا کسی طرح بھی جائز نہیں اور نہ ہی قرآن میں ایسی قراءات موجود ہیں۔ ائمہ قراء کے اختیارات میں اس امر کا بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک امام حروف قرآنیہ میں کسی حرف کو ہر مقام پر ایک طریقہ سے پڑھتا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک اصول بن جاتا ہے۔ پھر بعض مقامات پر وہ اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے اسی لفظ کو ادا کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل ان کے پیش نظر روایت کا اتباع ہے، مثلاً امام ابو جعفر رحمہ اللہ پورے قرآن میں کلمہ یَحْزُنُ یاء کے فتح اور زاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، لیکن ایک مقام پر سورہ انبیاء میں یُحْزِنُكَ کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

امام نافع رحمہ اللہ، جو کہ امام ابو جعفر رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، اس کے برعکس پڑھتے ہیں۔ امام حفص رحمہ اللہ قرآن میں ایک مقام ﴿مَجْرِيهَا﴾ [ہود: ۳۱] کے علاوہ کسی جگہ امالہ نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ ہمزہ کی تسہیل نہیں کرتے مگر کلمات: ﴿أَعَجَبِي﴾ [حم السجدة: ۴۳]، ﴿الَّذِي﴾ [یونس: ۵۱]، ﴿اللَّهُ﴾ [یونس: ۵۹]، ﴿الَّذِي كَرَّمْنَا﴾ [الانعام: ۱۳۳] میں دوسرے ہمزہ کی تسہیل کرتے ہیں۔ یہ مثالیں واضح کرتی ہیں کہ قراءات میں قیاس اور اجتہاد کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔^⑫

قبائل کے لہجائی اختلافات اور قراءات کی حدود

اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی بھی لغت میں مختلف قبائل کے صوتی اختلافات موجود ہوتے ہیں اور ان میں ارتقائی عمل بھی جاری رہتا ہے، مثلاً قرآن میں لغت قریش کے علاوہ لغات کی موجودگی کے بھی شواہد ملتے ہیں۔^⑩ اس لحاظ سے قرآن کے مشترک لہجہ میں قریشی لہجہ کے غالب عنصر ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر قبائل کے بھی لہجات موجود ہیں، لیکن لہجات کا یہ اختلاف اصل لفظ کے جوہر میں اختلاف پیدا نہیں کرتا۔

یوہان فلک لکھتا ہے کہ

”لغت قرآن اور لغت عرب یعنی بدوی قبائل کے لہجات کے مابین اس طرح کے فروق نہیں پائے جاتے، جو الفاظ و حروف کے اصل جوہر کو ختم کر دیں۔“^⑪

اس کے باوجود انسانی لغات میں یہ امر بھی فطری ہے کہ ان کے مابین اختلاف لہجات ہو، چنانچہ مصر، نجد، حجاز، عراق اور یمن کے لوگوں کے لہجات میں آج بھی واضح اختلافات موجود ہیں۔ بعض لہجات میں ارتقاء بھی پیدا ہوا ہے، بعض قبائل ’ٹا، کونا، یا، سین‘ کے ساتھ تبدیل کر دیتے ہیں اور کچھ ’قاف‘ کو ’جیم‘ کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ^⑫

اس ارتقاء اور متعدد تبدیلیوں کا تقاضا یہ تھا کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ [النساء: ۴۰] میں (متأل) یا (مسأل) یا (مسجال ذرة) پڑھا جاتا۔ اسی طرح ﴿قُلْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلَا مِثْلَ الثَّلَاثِ﴾ [النساء: ۱۱۱] کو ’فان‘ لم یکن لو ولد وورسہ ابوہ فلا مہ الثلت‘ پڑھا جاتا۔^⑬ اگر ایسا ہوتا تو لوگ قرآن کریم کو اپنے لہجات میں ڈھال لیتے اور اپنی خواہش کو اس میں داخل کر دیتے، جیسا کہ طحسین کا گمان ہے، لیکن چونکہ قراءات کی حقیقت نقل و روایت ہے، خواہ اصول ہوں یا فروش، ان میں قطعاً لہجات کا کوئی دخل نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ سہولت اور لہجات کا لحاظ انتہائی حکمت پر مبنی تھا، مگر جب لغت قریش تمام علاقوں میں غالب آگئی اور لہجات کی کلفت دور ہو گئی تو صرف عرضۂ اخیرہ میں قائم رہنے والے چند لہجات کو باقی رکھا گیا اور بقیہ منسوخ ہو گئے۔

ثبوت قراءات میں حدیث کی اہمیت

ڈاکٹر طحسین نے قراءات کے توازن اور اس کے وحی و منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا ہے۔ وہ قراءات کے ثبوت میں حدیث کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے، حالانکہ حدیث نبوی ہی اس بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے کہ یہ کلام الہی ہے اور اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم وحی پر یقین کریں۔^⑭

ڈاکٹر جواد علی

ڈاکٹر جواد علی کا شمار دور جدید کے ماہرین لغت و ادب میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں قراءات کے اختلاف کو توازن اور نقل کی بجائے قلم کار کشرمہ قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

”مسائل ظہرت بعد نزول الوحی من خاصية القلم الذی دون به القرآن الکریم فرسم أكثر حروف هذا القلم متشابه والمميز فیها هو النقط، وقد ظهر النقط بعد نزول الوحی بعمد، ثم إن هذا القلم كان خاليا فی بادی أمره من الحركات وخلو الکلم من الحركات يحدث

مشکلات عديدة في الضبط من حيث اخراج الكلمة“^{۳۱}

”نزول وحی کے بعد قرآن کریم کی تدوین میں قلم کی وجہ سے کئی مسائل ظاہر ہوئے۔ اکثر حروف کا رسم لکھنے میں ایک دوسرے سے مشابہ تھا اور صرف نقاط سے ہی ان کی تیز ہوتی تھی جبکہ نقطے نزول وحی کے کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوئے، پھر یہ لکھے ہوئے حروف حرکات سے بھی خالی تھے جس کی وجہ سے کلمات کو ضبط کرنے میں متعدد مشکلات سامنے آئیں۔ خصوصاً کسی کلمہ کی ادائیگی انہی وجوہات سے متاثر ہوئی۔“

ڈاکٹر جواد علی کے اس نظریہ میں بنیادی کردار گولڈزیہر کی فکر کا ہے، چنانچہ خود جواد علی نے اپنے نظریہ کے اثبات میں یچینم وہی مثالیں پیش کی ہیں، جو گولڈزیہر نے اپنی کتاب ’مذاهب التفسیر الاسلامی‘ میں اس حوالہ سے ذکر کی ہیں، لہذا جواد علی کی رائے دراصل گولڈزیہر اور نولڈ کے کی آراء کا خلاصہ ہے۔^{۳۲}

علامہ تمنا عمادی

ہندوستان میں فقہ انکار حدیث کی اشاعت میں علامہ تمنا عمادی کا نام معروف ہے۔ اس نے قرآنی قراءات اور حدیث سبعہ اہل حرف کو وضعی قرار دیتے ہوئے قراءات کے امام عاصم کو نبی ﷺ کو شیعہ ثابت کیا ہے۔ اس حوالہ سے اس کی کتاب ’اعجاز القرآن و اختلاف قراءات‘ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس نے تدوین قرآن کے متعلق بخاری و مسلم کی روایات کو افسانہ قرار دیا ہے اور قراءات کو مستشرقین کے نظریات کے مطابق نتیجہ قلم قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک اختلاف قراءات کوفہ کے ملاحظہ کی گھڑی ہوئی ہیں۔ ملاحظہ کوفہ نے مراکز میں اپنے ایجنٹ مقرر کر دیئے تھے اور وہ خود ساختہ اختلاف قراءات کو خود ساختہ اسناد کے ساتھ مراکز میں بھیج دیتے تھے۔^{۳۳}

تمنا عمادی نے حدیث سبعہ اہل حرف کو بھی موضوع قرار دیا ہے۔ امام نافع رحمہ اللہ کو مدینہ میں کوفیوں کا ایجنٹ اور ان کی قراءت کی سنیت کو مخدوش کہا ہے۔^{۳۴} اس کے نزدیک ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے قول پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن میں صرف لغت قریش کو باقی رکھ کر بقیہ چھ لغات کو ختم کر دیا تھا، تو اب موجودہ قراءات کہاں سے پیدا ہو گئیں؟ نیز تمنا عمادی علیہ ما علیہ نے ساتوں ائمہ قراء پر بلا دلیل نقد و طعن اور شبہات و اعتراضات ذکر کیے ہیں، جن کا حقائق و دلائل سے قطعاً کوئی واسطہ نہیں۔ تمنا عمادی کی مذکورہ تصنیف کا تفصیلی محققانہ جواب شیخ القراء قاری طاہر رحمی پانی پتی رحمہ اللہ نے ۹۰۰ صفحات پر مشتمل کتاب ’دفاع قراءات‘ میں دیا ہے۔^{۳۵}

مولانا امین احسن اصلاحی

مولانا امین احسن اصلاحی کا شمار برصغیر میں علم و تحقیق، خصوصاً تفسیر قرآن کے حوالہ سے خاص شہرت، کے حامل افراد میں ہوتا ہے۔ ان کی تفسیر ’تدبر قرآن‘ قرآنی آیات میں ربط بیان کرنے اور لغت عرب سے اس کے مفہام بیان کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ تاہم علوم قرآنیہ، مثلاً قراءات میں ان کی فکر چند ایسے نظریات منصفہ شہود پر لائی ہے، جو علم و روایت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے۔ وہ حفص عن عاصم کی قراءات کے علاوہ قرآن کریم کی جملہ متواتر قراءات کا انکار کرتے ہیں۔ امین احسن اصلاحی صاحب کہتے ہیں:

”غور کرنے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ قراءات کا اختلاف دراصل قراءات کا اختلاف نہیں بلکہ اکثر و بیشتر تاویل کا اختلاف ہے۔ کسی صاحب تاویل نے ایک لفظ کی تاویل کسی دوسرے لفظ سے کی اور اس کو قراءات کا اختلاف سمجھ لیا گیا

محمد فیروز الدین شاہ

حالانکہ وہ قراءاتوں کا اختلاف نہیں بلکہ تاویل کا اختلاف ہے۔ مثلاً سورہ تحریم میں بعض لوگوں نے 'فقد زاعت بھی پڑھا، صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس نے یہ بھی یہ پڑھا ہے اس نے یہ قراءت نہیں بتائی بلکہ اپنے نزدیک اس نے 'فقد صغت' کی تاویل کی ہے، لیکن لوگوں نے اس کو بھی قراءت سمجھ لیا،' ۱۹

قراءت کے حوالہ سے 'فکر اصلاحی' کی مزید وضاحت اور اس پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے شیخ القراء قاری محمد ابراہیم میر محمدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

”امین احسن اصلاحی کے نزدیک قراءتے حفص ہی وہ واحد متواتر قراءت قرآنی ہے جو درست ہے اور بقیہ قراءات ائمہ قراء کی مفتریات ہیں۔“ ۲۰

ہماری رائے میں اصلاحی صاحب نے فن قراءت کو بطور فن تفصیل سے نہیں دیکھا اور نہ اس کی حقیقت کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ وہ قراءت اور روایت کے درمیان فرق کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں اور وہ ”قراءت حفص“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، حالانکہ اختلاف کی نسبت اگر امام کی طرف ہو تو ’قراءت‘، راوی کی طرف ہو تو ’روایت‘ کہلائی جاتی ہے۔ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اضافت و نسبت کر کے ’قراءت‘ کہیں گے، جبکہ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور حفص رحمۃ اللہ علیہ، جو امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے دور راوی یعنی شاگرد ہیں، کی طرف نسبت ہو تو ’روایت‘ کہلائے گی، چنانچہ انہیں ’روایت حفص‘ یا ’روایت شعبہ‘ کہیں گے۔ ۲۱

اصلاحی صاحب کے نزدیک اختلاف قراءات کے مسئلہ پر لوگوں نے صحیح نچ پر غور نہیں کیا، جس کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں، لہذا قراءات سات نہیں اور نہ ہی اس کا ثبوت ملتا ہے اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءات کے اختلاف کو ختم کر دیا تھا۔ ۲۲ اصلاحی صاحب کا یہ قول قطعی طور پر غیر حقیقی ہے، جس میں وہ امت کے محققین قراء کو اختلاف قراءات کے متفقہ مسئلہ پر صحیح نچ پر غور کرنے میں ناکام قرار دے رہے ہیں۔ اسی طرح یہ جملہ کہ ”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قراءات کے اختلاف کو ختم کر دیا تھا“ بھی قابل غور ہے، کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رسم کا امتیازی وصف ہی یہی تھا کہ متواتر قراءات اس میں سما جائیں اور انہی مصاحف کی بنیاد پر متواتر قراءات محفوظ ہو گئیں۔ ’فکر اصلاحی‘ کے حاملین بشمول غامدی صاحب کے قراءات کے بارے میں مولانا اصلاحی کے نقطہ نظر پر ہیں۔

اس ضمن میں راقم کی رائے یہ ہے کہ تمام اہل علم اس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ جو افراد کسی مخصوص فن پر بغیر تخصص اور مہارت کے رائے زنی کریں، ان کو علمی حوالوں سے بحث و تمحیص کے قابل سمجھنے کی بجائے ان کے نظریات کو یہ کہ کر خوب رد کیا جائے کہ یہ رائے ماہرین کی نہیں ہے۔

واضح رہے کہ تمام علماء اور ماہرین فن کا اس بات پر اتفاق ہے کہ متواتر قراءات میں سے کسی ایک کا انکار بھی جائز نہیں ہے، چنانچہ ابن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”ومضت الاعصار والامصار علی قراءات الائمة السبعة بل العشرة، وبها یصلی لانها ثبتت بالاجماع“ ۲۳

”مدتوں سے ممالک میں انہی ائمہ سبعہ و عشرہ کی قراءات کی جاری ہے، انہی کو نماز میں پڑھا جاتا ہے کیونکہ یہ اجماع سے ثابت ہیں۔“

علامہ ابن سکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”القراءات السبعة التي اقتصر عليها الشاطبي، والثلاث التي هي قراءة أبي جعفر وقراءة يعقوب، وقراءة خلف متواترة معلومة من الدين بالضرورة، وكل حرف انفرد به واحد من العشرة معلومة من الدين بالضرورة أنه منزل على رسول الله ﷺ، لا يكابر في شيء من ذلك الا جاهل“^①

الغرض علماء امت کا ہر دور میں اس بات پر اجماع منقول ہے کہ قراءات سبعہ وشرہ ضروریات دین میں سے ہیں اور کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک قراءت کا بھی انکار کرے۔

حوالہ جات

- ① فقہ اللُّغة اِزْوَاْکُرْ عَلٰی عَبْدِ الْوَاحِدَوَانِ، ص ۱۱۹
- ② فقہ اللُّغة اِزْوَاْکُرْ عَلٰی عَبْدِ الْوَاحِدَوَانِ، ص ۲۵۴، ۲۵۰
- ③ فی الأدب الجاهلي از طہ حسین، ص ۹۵، ۹۶
- ④ ایضاً، ص ۹۸
- ⑤ ایضاً، ص ۹۸، ۹۹
- ⑥ صفحات فی علوم القراءات از السندی، ص ۱۴۳، ۱۴۴
- ⑦ القراءات: تاریخ و تعریف از ڈاکٹر عبد البہادی الفضلی، ص ۸۵
- ⑧ اتحاف فضلاء البشر از الدیلمی البناء، ص ۳۵۸
- ⑨ اتحاف فضلاء البشر از الدیلمی البناء، ص ۲۷۳
- ⑩ السبعة فی القراءات از ابن مجاہد، ص ۴۴۴
- ⑪ السبعة از ابن مجاہد، ص ۳۲۵
- ⑫ ابو عمرو، عاصم ہمزہ، کسائی اور خلف نے ’عبد‘ باء کے الف اور وال کے رفع کے ساتھ پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے ’عند‘ نون ساکنہ اور وال کے فتح کے ساتھ بغیر الف کے پڑھا ہے۔ (اتحاف، ۳۸۵)
- ⑬ المرشد الوجیز از ابوشامہ المقدسی، ص ۱۶۶
- ⑭ صفحات فی علوم القراءات از السندی، ص ۱۴۵
- ⑮ المرشد الوجیز از ابوشامہ المقدسی، ص ۱۶۶
- ⑯ مجلہ کایہ القرآن الکریم، المدینۃ المنورۃ، العدد الاول، ۱۴۰۲ھ، ص ۱۳۷
- ⑰ قرآن کی لغات پر متعدد کتب لکھی گئیں جن میں ان لغات کے اندر مفردات اور اصوات کے فروق بھی ذکر کیے گئے۔ اس حوالہ سے فراء، اصمعی، ابو زید انصاری، جشم بن عدی، محمد بن یحییٰ القطیعی اور ابن درید کی لغات القرآن کے موضوع پر تصنیفات موجود ہیں۔ دیکھیے: القہرست لابن ندیم، ص ۳۵..... امام سیوطی (م ۹۱۰ھ) نے الاقان میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جس میں اہل حجاز کی لغت کے علاوہ دیگر لغات کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن الجوزی نے

بھی فنون الافغان میں اس کے متعلق تفصیلات ذکر کی ہیں۔ ابن حسون کی روایت سے ابن عباس کی طرف منسوب ایک باقاعدہ کتاب ذکر کی گئی ہے جو ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تحقیق سے شائع ہوئی اس کتاب کا نام 'اللغات فی القرآن' ہے اور یہ دارالکتب الحدید بیروت لبنان سے ۱۹۷۲ء میں دوسری مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ اس کا پہلا طبع مطبع الرسالة قاہرہ میں ۱۹۴۶ء میں منظر عام پر آیا۔

(۱۸) العربية دراسات فی اللغة واللہجات والاسالیب از یوہان کف، ص ۴

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھیے فقہ اللغة از ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی، ص ۲۶۲ تا ۳۰۰

(۲۰) المصحف المرتل از لیب السعد، ص ۱۵۴

(۲۱) سنت کی اہمیت مصطفیٰ الباعی کی کتاب السنة ومکانتها فی التشريع الاسلامی، عبدالحلیم محمود کی السنة فی مکانتها وفی تاریخها، محمد الحافظ التتانی کی کتاب سنة رسول ﷺ، اور سید سلیمان ندوی کی کتاب تحقیق معنی السنة و بیان الحاجة إليها ملاحظہ ہوں۔

(۲۲) جواد علی، لہجۃ القرآن الکریم، بحث فی مجلۃ المجمع العلمی العراقی، المجلۃ الثالث، الجزء الثاني، ص ۸۹۔ بحوالہ: لیب السعد، المصحف المرتل، ص ۱۵۹

(۲۳) دیکھیے: مذاهب التفسیر الاسلامی، ص ۸

واضح رہے کہ نولڈ کے مستشرقین کے طبقہ میں قرآن کریم پر علمی اعتراضات کے حوالہ سے بنیادی مواد فراہم کرتا ہے چنانچہ گولڈ زیہر نے بھی اس کو اپنے نظریات کا پیش رو قرار دیتے ہوئے اس کو عظیم راہنما 'زعیمنا الکبیر' کے لقب سے ذکر کیا ہے۔

(۲۴) اعجاز القرآن واختلاف قراءات از تمنا عمادی، ص ۶۵۴

(۲۵) ایضاً، ص ۶۶۱

(۲۶) دفاع قراءات از طاہر جیمی مدنی

(۲۷) امین احسن اصلاحی، تدبر و فوری، ۱۹۸۳ء

(۲۸) مکانة القراءات عند المسلمین از ابراہیم میر محمدی، ص ۴۲

(۲۹) تحفۃ اصلاحی از ڈاکٹر عبدالواحد، ص ۳۲

(۳۰) ایضاً، ص ۳۳ و ۳۴ ملخصاً۔ جواد احمد غامدی نے بھی اپنے استاذ کی اتباع میں اسی باطل نظریہ کو اختیار کیا ہے۔

تفصیلات کیلئے: ڈاکٹر عبدالواحد کی کتاب 'تحفۃ غامدی' ص ۱۳ تا ۱۷ دیکھیے

(۳۱) القراءات فی نظر المستشرقین والملحدین از الشیخ عبدالفتاح القاضی، ص ۹۳

(۳۲) منجد المقارئین از ابن الجزری، ص ۵۱

